— حافظ عبدالستار فانی
الامین العام "ندوۃ المترجمین" پاکستان

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

(۵)

امانت داری

قرآن مجید میں ہے:-

وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ معمولی چیز کو چھپائے اگر کوئی اس فعلِ قبیح کا مرتکب ہوا تو جو کچھ اُس نے چھپایا ہے قیامت کے دن اُسے حاضر کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام سے "غلول" کی نفی کی ہے "غلول" باتفاق امت ایک گناہ ہے۔ جو حکم باقی گناہوں کا ہے وہی اس "غلول" کا ہوگا لہٰذا یہ بات بالاجماع ثابت ہوگئی کہ غلول اور تمام دیگر معاصی انجام کے لحاظ سے یکساں ہیں اس لئے جو کوئی بھی حضرات انبیاء علیہم السلام سے دانستہ ارتکاب گناہ کا یقین رکھتا ہے وہ "جرم غلول" پر بھی یقین رکھتا ہے اور جو شخص ان نفوس قدسیہ" سے غلول کی نفی کرتا ہے لازمی طور پر وہ ان سے دیگر گناہوں کے بالقصد صدور کی نفی کرے گا۔ حضرات انبیاء سے غلول کی نفی قرآن مقدس سے ثابت ہے پس اجماع سے یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ وہ ذنوب بالعمد کے مرتکب بھی نہیں ہوتے اور یہی عصمت ہے۔

نوٹ: یہ مسئلہ اسی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ غلول اور دیگر گناہ حکم داعتبار کے لحاظ اور انجام وعاقبت کی حیثیت سے برابر ہیں

نقطۂ ارتقاء فضیلت

ذاتِ اقدس نے فرقانِ حمید میں حضرات انبیاء کے ذکر کے بعد فرمایا ہے :-
"وکلٌ من الاخیار" ص۔ اس مقام پر منصب رسالت ان معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ وہ نام ہے فضیلت کے آخری نقطۂ ارتقاء کا۔ پیغمبر وہ ہے جو نوعِ انسان کے لئے پورا پورا "تمثالی نمونہ" ہو اور جسم و روح کے لحاظ سے اعلیٰ درجے کا ایسا توازن پیش کرنے کی صلاحیت رکھے جس میں انسان کو سب کچھ مل جائے جس کا وہ خواستگار ہے۔ کردار و سیرت کے لحاظ سے دوسرے کے لئے لائق اطاعت اور قابل نمونہ ہو۔ جس کے چہرۂ انور میں ہر قسم کی درخشانی اور تابانی ہو یعنی "کل من الاخیار" کا صاف مفہوم ہے کہ تمام "خیر محض" ہوتے ہیں ان نفوسِ قدسیہ میں ان جلوؤں کی فراوانی ہوتی ہے جن کا تعلق "کمالِ انسانیت" سے ہے اور اپنے زمانے اور ماحول کی مناسبت سے گمراہی میں بھٹکی ہوئی دنیا کو پیغامِ نور دیتے ہیں اور لوگوں کے قلوب و اذہان میں ضوء و تابش پیدا کرتے ہیں۔ مقامِ غور ہے کہ اس قدرمز کی اور مصفی گروہ میں معصیت کس دروازہ سے داخل ہوگی۔ کیا معصیت کے بعد وہ "خیر محض" ہو سکتے ہیں۔؟

تعلیم انبیاء

فرمانِ خداوندی ہے :—

ماکان لبشرٍ ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون ہ ولا یامرکم ان تتخذوا الملائکۃ والنبیین ارباباً ط

ترجمہ: کسی انسان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ خدا اس کو اپنی کتاب، عقل سلیم اور پیغمبری عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میری پرستش کرو بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ خدا پرست بن جاؤ اس لئے کہ تم لوگ دوسروں کو کتابِ الٰہی کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی تعلیم یافتہ

طبقہ سے تعلق رکھتے ہو اور وہ پیغمبر تمہیں کبھی بھی ایسا نہیں کہے گا کہ اللہ کو پس پشت ڈال کر پیغمبروں یا فرشتوں کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔

اس آیت میں بالکل صاف طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو "معصوم عن الخطا" قرار دیا ہے طریق استدلال یوں ہے کہ دنیا میں سب سے بڑا عہدہ یہ ہے کہ انسان حاکم مطلق ہو اور لوگ اس کے سامنے غلاموں کی طرح دست بستہ کھڑے ہوں اللہ تعالیٰ ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کا بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کرنے کے لئے میرے حکم سے سرپیچی نہیں کرتے اور نہ یہ بات ان کی شایانِ شان ہے۔ جب یہ حضرات دنیا کا بڑا منصب حاصل کرنے کی خاطر خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے تو چھوٹے چھوٹے گناہوں کا صدور ان سے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ واللہ المستعان

عجیب استدلال:

فخر اندلس مجتہد مطلق علامہ ابن حزم کا یہ حیرت افزا استدلال "الملل والنحل" کے کئی صفحات میں پھیلا ہوا جو علامہ موصوف کے قلم و قرطاس کی نادرہ کاریوں اور بوقلمونیوں کی واضح دلیل اور منہ بولتی تصویر ہے لیکن ہم نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ ھدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

قرآن مقدس میں ہے:

ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کالذین امنوا وعملوا الصلحت سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون - جاثیہ

جو لوگ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں کیا انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کو ان حضرات کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور اس کے بعد اچھے کام کرتے رہے؟ (کیا ان کا گمان ہے کہ) ان کی موت و حیات یکساں ہو گی؟

جو لوگ ایسا بے بنیاد دعوے کرتے ہیں وہ نہایت ہی برا ہے۔ اس آیت کی روشنی میں ہمارے لئے دو ہی راستے ہیں

(۱) انسانوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

(۲) یا ایسا کوئی شخص نہیں جس نے گناہ نہ کیا ہو۔

اگر دوسری بات کو تسلیم کیا جائے کہ کوئی ہستی ایسی نہیں جو معصوم عن الخطا اور غیر مجترح السیات ہو تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا کلام نعوذ باللہ "لغو" ٹھہرتا ہے کیونکہ آیت مذکورہ میں دونوں فریقوں کو بالمقابل بیان کیا گیا ہے اور دونوں کا حکم بھی علیحدہ علیحدہ بیان ہوا ہے بصورت دیگر یعنی یہ بات کہ معصوم عن الخطا ہستیاں دونوں میں موجود ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ "نفوس قدسیہ" کون ہیں؟ جن سے اجتراح سیات (گناہوں کے کمانے) کی نفی کی ہے اور فرمایا کہ مجترح السیات اور غیر مجترح السیات برابر نہیں ہو سکتے۔

اگر کہا جائے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں تو اس کی تردید خود یہی آیت کر رہی ہے کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے "سواء محیاھم ومماتھم" اس میں موت وحیات کا ذکر ہے فرشتوں کو موت آنے کی کوئی قطعی دلیل ہماری نظر سے نہیں گذری۔ جب فرشتوں پر موت نہیں آسکتی تو اس آیت میں غیر مجترح السیات ہستیاں فرشتوں کے علاوہ اور ہوں گی۔ اگر ان کی موت پر کوئی ہمیں مطمئن کر دے تو ہم اپنے دعوے سے دستبردار ہو جائیں گے۔ لیکن یہاں معاملہ ہی برعکس ہے کیونکہ وہ "سکان جنت" ہیں اور وہیں ان کی تخلیق ہوتی ہے اور جنت ایسی جگہ ہے جہاں کسی کو موت نہیں۔ ٹھیک یہی حال "حور عین" کا ہے۔

فرشتوں کو موت نہیں آسکتی پر مزید بحث :

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ فرشتے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ موت نام ہے مرکب جسم سے روح کی جدائی کا۔ یہاں تو کوئی چیز ایسی نہیں جو جسم کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے تاکہ ہم یہ کہہ سکیں کہ ان پر موت آجاتی ہے۔ واللہ المستعان

اعتراض :

قرآن میں ہے کہ "کل نفسٍ ذائقۃُ الموت" ترجمہ: ہر متنفس پر موت آتی ہے کا عموم اسی بات کا متقاضی ہے کہ ملائکہ بھی اس میں داخل ہوں اور ان پر بھی موت آئے۔

جواب :

اگر آیت مذکورہ کی عمومیت سے فرشتوں کی موت کو تسلیم کر لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ حور عین جو جنت کی باشندہ ہیں بھی موت سے ہمکنار ہوں حالانکہ جنت سے خدا نے موت کو دُور رکھا ہے، چنانچہ وُہ خود کہتا ہے کہ ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون ۲۹/۶۴ یعنی آخرت کا گھر زندگی کی جگہ ہے کاش کہ وہ معلوم کر لیں) اس نصِ صریح سے معلوم ہوا کہ "کل نفس ذائقۃ الموت" کا فرمان غیر جنتی جن وانس اور دیگر حیوانات کے لئے ہے کہ ان کی رُوح ان کے جسم سے جُدا ہو جائے گی۔

بحث بالا سے یہ بات واضح ہو گئی کہ معصوم اور غیر مجترح السیات صرف انسانوں ہی میں موجود ہیں۔ اگر انبیاء کو غیر معصوم تسلیم کر لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ انسانوں ہی میں سے بعض ایسے حضرات ہیں جو ان "نفوس قدسیہ" سے افضل ہیں حالانکہ یہ بات بھی محال غیر ممکن اور قادح فی النبوت ہے۔

جب قرآن سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ لوگوں میں گنہ گار بھی ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے اور قرآن ہی سے یہ بات ثابت ہے کہ دونوں کے درجات بھی برابر نہیں تو انبیاء علیہم السلام ہی تمام فضائل کے مستحق اور غیر مجترح السیات ہونے کے زیادہ حقدار ہیں اہل اسلام سے کسی کو بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیونکہ خود ذاتِ اقدس کا فرمان ہے "اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً ومن الناس" آدمیوں اور فرشتوں سے رسولوں کا انتخاب اللہ ہی کرتا ہے۔ اس آیت میں اس دعوی کا ثبوت موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام مخلوقات سے خدا کے پسندیدہ اور مختار ہیں

اعتراض : اس آیت میں ہو سکتا ہے وُہ شخص مُراد ہو جو بالغ ہونے کے بعد ایمان لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو چند بار یاد کر کے اپنی جانِ جاں آفریں کے سپرد کر دیتا ہے یا وُہ شخص جو کفر کے بعد اسلام قبول کرتا ہے اور فوراً جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو جاتا ہے کیا یہ لوگ معصوم نہیں ہیں تاکہ آیت مذکورہ کے مصداق ٹھہر سکیں۔

جواب : علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ اس پر ہمارا جواب یہ ہے کہ جو شخص پہلے

کافر تھا بعد میں مسلمان ہوا اس نے اپنے کفر کے باعث ایسے گناہ کمائے ہیں جو زمین و آسمان کے خلا میں نہیں سما سکتے اگرچہ اسلام بمصداق "ان الاسلام یھدم ما قبلہ" گذشتہ تمام گناہوں پر قلم عفو کھینچ دیتا ہے تاہم اس نے اپنی زندگی میں گناہ تو کئے ہیں اس لئے اس کا وجود مجترح السیات میں داخل ہے رہ گیا اس شخص کا معاملہ جو بلوغ کے بعد اسلام قبول کرتا ہے اور خدا کو چند بار یاد کر کے وفات پا جاتا ہے، تو اس کے متعلق ہمارا جواب یہ ہے کہ ایسا شخص معصوم عن السیات سمجھا جا سکتا تھا۔ اگر خدا کا یہ فرمان نہ ہوتا کہ "کیا ان لوگوں نے جو گناہ کماتے ہیں یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جنھوں نے گناہ نہیں کمائے اور نیک عمل کئے ہیں کیا ان کا گمان ہے کہ ان دونوں گروہوں کی موت و حیات برابر ہو گی ان کا خیال نہایت ہی مضر ہے اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اتنی قطعیت کے ساتھ دونوں کے "تفاوت درجات" کو بیان کیا ہے کہ اس کے انکار کی مجال کسی کافر ہی کو ہو سکتی ہے اور ہمارا یقین ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد درجات کے لحاظ سے سب سے زیادہ صاحب فضیلت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں حالانکہ ان میں کوئی صحابی ایسا نہیں جس سے ارتکاب معصیت نہ ہوا ہو اب ایسی صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ جو شخص بلوغ کے بعد فوراً اسلام قبول کر لے اور اس کے بعد فوراً وفات پا جائے وہ صحابہ کرام سے افضل ہو — (العیاذ باللہ) اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ ایسا شخص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل ہے تو اس صورت میں آں حضرت کا یہ ارشاد غلط ٹھہرتا ہے کہ "اگر تم میں سے کسی کے پاس احد کے برابر سونا ہو اور وہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تب بھی صحابہ کرام کے درجات و منازل کو نہیں پہنچ سکتا بلکہ ان کے نصف تک بھی رسائی نہیں کر سکتا"، جب ایسی بات ہے تو ہمیں اللہ اور اس کے رسول مقبول کی بات تسلیم کر لینی چاہیے اور اس کے ساتھ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی پیش نظر رہنا چاہیے "ما من احد الا الم بذنب او کاد الا یحیی بن ذکریا"، یعنی کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس نے کسی گناہ کے باعث تکلیف نہ اٹھائی ہو یا آئندہ نہ پائے گا۔ لیکن اس سے حضرت یحیٰ بن ذکریا مستثنیٰ ہیں۔ اس لئے ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ مذکورہ دلائل کی روشنی میں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جو شخص بھی حد بلوغ کو پہنچا ہو گا وہ گنہگار اور مجترح السیات ضرور ہو گا۔

باللہ التوفیق

خلاصۂ بحث :

علامہ ابن حزم کی لمبی چوڑی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں غیر مجترح السیات کے مصداق نہ تو ملائکہ ہیں اور نہ ہی حور عین کیونکہ ان کو موت نہیں آتی حالانکہ اس آیت میں موت وحیات کا ذکر ہے اور نہ ہی وہ کافر جو اسلام میں داخلہ کے فوراً بعد شریک جہاد ہو کر شہید ہو گیا کیونکہ اس کی سابقہ زندگی الکتاب معصیت میں گذرتی ہے اور نہ ہی وہ شخص مراد ہے جس نے بلوغ کے بعد اسلام قبول کیا اور بعد میں وفات پا گیا کیونکہ اس صورت میں یہ شخص صحابہ کرام سے افضل ٹھہرتا ہے جو مجترح السیات ہیں اور جن کی افضلیت کی گواہی خود قرآن اور رسالت کی زبانِ حق ترجمان سے ملتی ہے تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو حضرات غیر مجترح السیات اور معصوم عن الخطا ہیں وہ صرف وہی "نفوس قدسیہ" ہیں جن کو انبیاء کرام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے صلی اللہ علیہم اجمعین صفحات کی تنگ دامنی کی وجہ سے ہم دوسری قسم کے دلائل کا آغاز کرتے ہیں

دلائلِ خصوصی :

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ اس عنوان کے تحت صرف وہ دلائل پیش کیے جائیں گے جو ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے متعلق ہیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان

دعائے خلیلؑ :

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ در میں دعائے خلیل اور نوید مسیحا ہوں" دعائے خلیل کا ذکر قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے۔

ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم $\frac{1}{17}$

اے پروردگار ان سکان ارض "ذی زرع" میں انہیں کی نسل سے ایسا

رسُول مبعوث فرما جو ان پہ تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو کتاب کی تعلیم دے اور محاسن اخلاق سکھائے اور اخلاق غیر مرضیہ سے اُن کو دُور رکھ کر ان کا "تزکیہ نفس" کرے"

ایک اور مقام پہ ذات اقدس مومنین پہ احسان جتلاتی ہوئی فرماتی ہے:

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسُولاً منھم یتلوا علیھم آیتہ ویزکیھم

رحمتِ عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کا "مزکی" ہونا قطعی نص سے ثابت ہے اس ہستی مبارک کو غبار معصیت سے آلودہ کرنے والوں نے یہ خیال نہ کیا کہ جو خود "پاک باطن" اور "صاف نہاد" نہیں وہ دوسروں کے لئے "مزکی" کیسے ہو سکتا ہے، گفتار و کردار میں تضاد ایک بدترین خصلت اور سنگین جرم ہے۔

کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون یعنی قول وفعل میں تضاد ہونا غضب خدا کو دعوت دیتا ہے نعوذ باللہ حضور علیہ السلام خود تو گناہوں کی آلودگی سے پاک نہوں اور قرآن ان کو "مزکی" کہے۔ کیا قرآن کی یہ تضاد بیانی ذات کبریا کے شایانِ شان ہو سکتی ہے؟ تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام خود بھی پاک دامن ہیں اور گناہ میں ملوث لوگوں کو روشنی میں لانے والے ہیں جیسا کہ "یخرجھم من الظلمٰت الی النور" سے واضح ہوتا ہے۔

معیارِ محبّت:

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یعنی اللہ کی محبت کے دعوے پر میری اتباع دلیل ہونی چاہیئے، دوسری جگہ یوں فرمایا کہ لقد کان لکم فی رسُول اللہ اسوۃ حسنۃ تمہارے لئے رسُولِ خدا کا بہترین نمونۂ حیات ہیں۔ چونکہ ہر دو آیات میں "اتباع" اور "اسوہ" مطلق ہیں تو معلوم ہوا کہ ہر معاملہ میں آپ کی اتباع لازم اور زندگی کے ہر شعبہ کے لئے آپ ایک مثالی نمونہ ہیں اب اگر آپ کے افعال واقوال میں معصیت کا احتمال ہو تو لازم آتا ہے کہ معصیت میں بھی آپ کی اتباع لازم ہو۔ اس لازمہ سے صرف وما خلقت الجن

والانس الالیعبدون لغو نہیں ٹھہرے گی بلکہ سلسلہ نبوت کی کڑیاں بھی کمزور ہو جائنگی اور کئی مفاسد پیدا ہو جائیں گے لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ معصوم عن الخطا ہیں وھو المقصود

خاصۂ رسول :

سابقہ گذارشات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام کے یعنی نفوس مطمئنہ یعنی اطمینان یافتہ ہوتے ہیں۔ بنابریں ان کی نفسانی قوت معتدل مزاج رہتی ہے اور بیرونی طاقت شیطان کے متعلق۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے وما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملائکۃ قالوا وایاک یا رسول اللہ قال وایای ولکن اللہ اعانني عليه فاسلم فلا یامرنی الا بخیر الحدیث

یعنی شیطان بھی میرا مطیع و منقاد ہو چکا ہے اور میں فضل خداوندی سے اس کے مکائد و مصائد سے محفوظ رہتا ہوں بلکہ یہاں تک فرمادیا کہ لا یتمثل صورتی شیطان عالم رویا میں بھی میری صورت اختیار کرکے کسی کو اپنے دام تزویر میں نہیں پھنسا سکتا جس ذات اقدس نے شیطان کو اس ذات پاک کا شبیہ ہونا محال قرار دے دیا ہے وہ ذات اقدس اس ہستی مبارک کے دل پر اس ملعون و مطرود کے تصرف و اختیار کو کب گوارا کر سکتی ہے

خاصہ اصحاب :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب میں مشہور روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ "اے عمر شیطان آپ سے ڈرتا ہے جس گلی تم جاتے ہو شیطان وہ کوچہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے" حضور علیہ السلام کی ذات مبارک کے متعلق لب کشائی اور دریدہ دہنی کرنے والے اپنے گریبان تفکر میں جھانک کر اس نتیجہ پر نہ پہنچے کہ بھلا جو لعین مرید غلاموں کے سایہ سے بھی ڈرتا ہے ان کے آقا و مالک کے پاس آنے کی کیونکر ہمت کر سکتا ہے اور گناہ کرانے پر کس طرح آمادہ کر سکتا ہے مزید برآں جبکہ آپ کا قلب مبارک ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہو، انوار و تجلیات کی آماجگاہ ہو وہ واقعہ بھی عصمت کی بین دلیل ہے کہ آپ نے "الشیطین" کو پکڑ لیا تھا بعد میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا

یاد آگئی تو اس کو چھوڑ دینا ہی مناسب خیال کیا۔ معصیت میں مبتلا ہونے والوں کی رُوحانی قوت اس قدر ہو سکتی ہے ؟

تنزیہ از ضلالت و غوایت :

ارشاد خداوندی ہے ماضل صاحبکم وما غوی۔ تمہارے ساتھ رہنے والا ہمارا بندہ نہ تو علم میں بھولا ہوا ہے اور نہ ہی عمل میں کج رو۔ اس آیت مقدس میں حضور علیہ السلام کا دو بڑے عیوب سے پاک ہونا ظاہر کیا گیا ہے اول ضلالت دوم غوایت، ہماری زبان میں یہ دونوں الفاظ تقریباً ہم معنی اور مترادف سمجھے جاتے ہیں لیکن محاورہ عربی میں قدرے فرق ہے۔ یعنی ضلالت علم میں بگاڑ اور غوایت عمل میں صراط مستقیم سے کج روی کو کہتے ہیں، دُوسرے الفاظ میں ضلالت، ہدایت کی ضد ہے اور غوایت، رشد کی قرآن مقدس میں ان کا مقابلہ کئی ایک مقام پر مذکور ہے جیسے قد تبین الرشد من الغیّ وغیرہ، ایک اور علمی نکتہ قابل غور ہے وُہ یہ کہ علم و عمل کے لحاظ سے نوع انسانی چار اقسام پر مشتمل ہے۔

(۱) وُہ لوگ جو علم و عمل دونوں میں کج رو ہوتے ہیں یہ بدترین خلائق ہوتے ہیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام کی مخالفت مول لیتے اور ان کے مشن کے لئے رکاوٹ بنتے ہیں۔

(۲) وُہ لوگ جو علم میں تو ضال نہیں بلکہ ہدایت پر ہیں لیکن اپنے مقصد و عمل کے لحاظ سے وہ غوایت کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے ہیں یہ وُہ لوگ ہیں جو حق کی شناخت تو کر لیتے ہیں لیکن ان کی قوت عمل اس قدر کمزور ہوتی ہے کہ حق معروف کے مطابق عمل نہیں کر سکتے بلکہ اس کے اظہار اور قبول کرنے سے بھی دل چراتے ہیں۔

(۳) وُہ لوگ جو علمی طور پر تو گمراہ ہیں لیکن ان کا قصد و ارادہ نیک ہے مگر نا واقفی کی وجہ سے اپنی حالت عملی درست نہیں کر سکے۔ (۴) وُہ لوگ جو علم میں بھی اعلیٰ کمال پر فائز ہیں اور عملی حالت میں بھی محمود نمونہ ہیں۔ ان کے کئی ایک مراتب ہیں۔ نسبتاً سب سے اُونچے حضرات انبیاء اور اس کے بعد ان کی اتباع کرنے والے ثم الاسفل فالاسفل مذکورہ وضاحت سے معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ

علیہ وسلم سے علم و عمل دونوں میں ضلالت و غوایت کی نفی کی ہے تو بلاشبہ آپ رشد و ہدایت کے پیکر ہیں اور انہی دونوں صفات کے ساتھ متصف ہیں اور یہ اعلیٰ درجہ کا کمال ہے کہ کوئی انسان علم و عمل ہر دو میں ہدایت پر ہو اس سے بھی حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر گناہ سے مبرا ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

واللہ المستعان (باقی آئندہ)

(بقیہ شورش کاشمیری مرحوم (صفحہ ۲۸ سے آگے)

سرکار دو جہاں پیغمبر اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور والہانہ عقیدت ان کا امتیازی وصف تھا اور اس عشق کا اندازہ ان کے نعتیہ کلام سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے وفات سے تھوڑی دیر قبل جو نعت رقم فرمائی اُس کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

حضور خواجۂ خیر الانام سے پہلے
فضا اُداس تھی اُن کے پیام سے پہلے
نہ ابتدا کی خبر تھی نہ انتہا معلوم
حضور سرورِ دو عالم کے نام سے پہلے
بہت بلند ہے ذکرِ پیغمبر بطحا،
روا نہیں ہے درود و سلام سے پہلے

موجودہ حالات سے وہ کس قدر بددل تھے اس کا اندازہ اُن کی آخری نظم "مغل شہزادے" کے آخری شعر سے ظاہر ہے

داغ ہی داغ ہیں تاریخ کی جہاں بانی پر
آج پھر وہی بل ہیں وقت کی پیشانی پر